شہرِ وفا

(شعری مجموعہ)



ظلم و جفا کا دور، صلیبوں کا وقت تھا!
شہرِ وفا میں، میں ہی فقط بُت پرست تھا!!

نعیم راہی

ناشر

سُہیل پبلکیشنز تانڈور، حیدرآباد، اے پی

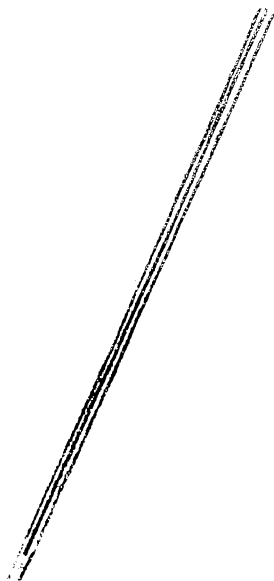
آفس 7/58-2-6 — 501141

تاریخ و سنہ اشاعت ــــــــ ۲۵ ڈسمبر ۱۹۸۶ء
بار اوّل (تعداد ــــــــ ۱۰۰۰ (ایک ہزار)
کتابت ــــــــ محمد عبدالغنی (حیدرآباد)
سرورق ــــــــ محمد یوسف آرٹسٹ
بلاکس ــــــــ وینس بلاک میکرس (حیدرآباد)
طباعت ــــــــ ماڈرن پریس تانڈور حیدرآباد
ٹائیٹل طباعت ــــــــ ماڈرن پریس تانڈور حیدرآباد
ناشر ــــــــ سہیل پبلکیشنز تانڈور حیدرآباد
قیمت ــــــــ ۲۰/- (بیس روپے)
سعودیہ اور مڈل ایسٹ کیلئے ۴۰ ریال

ملنے کے پتے

● نیشنل بک ڈپو چارکمان حیدرآباد ● الیاس ٹریڈرس نشاعلی بنڈہ حیدرآباد
● حسامی بک ڈپو چارکمان حیدرآباد ● انجمن خیال لٹیریری گیسٹ کھیرواڑی باندرہ ممبئی ۸
● مصنف: "پروین بسرا" تانڈور حیدرآباد (اے۔پی)

شریکِ حیات کے نام



نعیم راہی

ترتیب

غزلیں ◎ نظمیں

حرفِ آغاز

جناب نعیم راہی حیدرآباد کے ممتاز شعراء میں سے ہیں ۔ دو دہے قبل سے میں انکا کلام پڑھتا اور سنتا رہا ہوں ۔ حیدرآباد کے شعراء سے یہ ناانصافی ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ معیاری کلام کے باوجود وہ مقام اور شہرت حاصل نہیں کر سکتے جسکے وہ بجا طور پر مستحق ہیں ۔ اس کی دو اہم وجوہات ہیں ۔۔۔ حیدرآباد سے کوئی اچھے، علمی اور ادبی رسالے شائع نہیں ہوتے ۔ جسکی وجہ سے شعراء کا کلام پڑھنے کا موقع نہیں ملتا ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ہمارے شہر اور ریاست کے تمام اہم مقامات پر نمائندہ مشاعروں کا انعقاد نہیں ہوتا ۔ جسکی وجہ سے شاعر کو سننے اور انہیں داد دینے کا موقع نہیں ملتا ۔ یہی وجہ ہے کہ نعیم راہی جب تک حیدرآباد میں تھے وہ اکثر سنے اور پڑھے جاتے تھے ۔ مگر جب سے وہ ملازمت کے سلسلہ میں تانڈور میں مقیم ہیں انہیں خود کلام سنانے کا موقع نہیں ملتا

نعیم راہی صاحب نے ان دو دہوں میں کافی معیاری شعر کہے ہیں انکا فن پختہ ہوا ہے ۔ ان کے کلام میں عصر حاضر کی آگہی و شعور ہے، وہ نئے لب و لہجہ و روایات دونوں کو اپنے شعر میں بڑی کامیابی سے برتتے ہیں ۔

یقین ہے کہ ان کے مجموعہ کلام کی اشاعت سے قاری اور شاعر میں جو خلا تھا وہ اب ختم ہوگا اور انکا مجموعہ کلام ہمارے نئے شعراء کی شناخت میں مدد دیگا ۔

چند شعر پیش خدمت ہیں ۔ جن سے ایک پختہ کار شاعر

نعیم راہی کو بھی پہچانا جا سکتا ہے۔

"اک دردِ مسلسل ہوں، زمانہ ہوں، جنوں ہوں ؛ اے چارہ گرو آؤ مگر سوچ کے آؤ"

"جو رات کی تاریک فصیلوں سے چلا ہے ؛ کیوں دن کے اجالوں میں بکھرا کانپ رہا ہے؟"

"جب تک تیری نگاہ شریکِ سفر رہی ؛ یہ زندگی تھی نکہتِ گل کا سفر مجھے"

"صدیاں ملیں تو لمحوں میں سمٹی ہوئی ملیں ؛ مجبوریوں میں قید رہا جیسے اختیار"

"خود اپنے ماضی کی تاریخ ہی کو دہراؤ ؛ نئی سحر کیلئے پھانسیوں پہ چڑھ جاؤ"

"کبھی تو غور کرو، خود سے دور ہو کتنے ؛ کبھی تو سوچو، خود اپنے قریب تو آؤ"

"چہرے ہزار لاکھ نقابیں ہیں ان دنوں ؛ ہے زندگی کہاں، ترے کردار کی کتاب"!

"احباب خوش ہیں دیکھ کے چہرے کی تازگی ؛ ہیں کتنے زخم کچھ میرے اندر تو دیکھئے"

"اک آرزو تھی زیست کی راہوں میں کھو گئی ؛ اک خواب تھا جو ذہن کی وادی میں مر گیا"

"سائے کی طرف دوڑنے والوں سے یہ پوچھو ؛ سائے پہ کہیں زیست کا احساس ہوا ہے!!"

"یوں زندگی نے مجھ کو کیا کیا نہیں دیا ؛ پتھر تھے طنز کے کبھی لہجہ کرخت تھا"

"آرزوؤں کی یہاں بھیڑ لگی ہے راہی ؛ درِ دل پر کسی دستک کی صدا ٹھہری ہے"

"تم کیا مری نگاہ سے دل میں اتر گئے ؛ سارا وجود ہو گیا تقسیم کو بہ کو"

"نکل کے یاس کی تاریکیوں سے اب راہی ؛ نئی سحر کو نئے آفتاب دینا ہے"

"ترکِ تعلقات کوئی کھیل تو نہیں ؛ خود کو ابھار آتشِ فرقت میں ڈھال کر"

"جینے کا فن ملا ہے تو پھر زندگی کو میں ؛ راہی برت رہا ہوں اسے یوں سنبھال کر"

محمد حسیم اخگر

مقدمہ

نعیم زاہی کا نام اور کلام ادبی دنیا میں غیر معروف نہیں ہے۔ وہ سال ہا سال سے شعر کہہ رہے ہیں۔ انکے اشعار مقبول رسائل اور اخبارات میں چھپتے رہے ہیں۔ حیدرآباد کے ایسے مشاعروں میں وہ اپنا کلام سنا کر داد حاصل کر چکے ہیں جس میں حیدرآباد کے چوٹی کے شاعر شریک ہوا کرتے تھے۔ انہیں مخدوم اور شاذ کے ساتھ کلام پڑھنے کا اعزاز حاصل ہے (وہ آج بھی بجا طور پر اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انہوں نے مخدوم کے ساتھ اپنا کلام پڑھا ہے) جامی ان کے محبوب ہی نہیں بلکہ مثالی شاعر رہے ہیں۔ وہ جامی سے بے حد متاثر ہیں اور انہیں اپنے کلام میں نذرانۂ عقیدت و تحسین پیش کرتے ہیں۔

نعیم زاہی سے میں زمانۂ طالبعلمی سے واقف ہوں۔ وہ ابتدا ہی سے علمی اور ادبی مذاق رکھتے ہیں۔ پیشہ تدریس سے وابستہ ہیں۔ اور گورنمنٹ جونیر کالج ناندور پر کام کر رہے ہیں۔ وہ چند مہینے پہلے شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ آئے تھے۔ اسی وقت انہوں نے کہا تھا کہ انکا مجموعہ کلام زیور طباعت سے آراستہ ہونے والا ہے مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی تھی کہ وہ بہت جلد صاحب کتاب بننے والے ہیں۔ ویسے انہیں بہت پہلے صاحب کتاب ہونا چاہئے تھا خیر "دیر آید درست آید"

کچھ روز قبل وہ اپنا مجموعہ کلام "شہر وفا" لے آئے۔ اور مجھ سے خواہش کی کہ اس پر کچھ لکھوں۔ اور "شہر وفا" کا مسودہ چھوڑ گئے۔

نعیم راہی کی جس بات سے میں متاثر ہوا وہ ان کی دھن کا پکا پن تھا۔ نعیم راہی ایک فطری شاعر کے علاوہ ایک سلجھے ہوئے انسان میں، خاموش طبع ہیں۔ انہیں اپنی شاعری سے گہرا لگاؤ ہے۔ یہاں ان باتوں کے ذکر سے مقصود یہ ہے کہ آپ شاعری سے تو واقف ہوں گے ہی خود شاعر کی ذات سے بھی کسی قدر واقف ہوجائیں۔ کیونکہ شاعر کی ذات اس کے کلام میں بھی جھلکتی ہے اور کبھی اس میں ذات کی نفی بھی ہوتی ہے۔ آپ کلام پڑھنے کے بعد ہی تعین کیجیے کہ ان دونوں باتوں میں سے کونسی بات نعیم پر صادق آتی ہے۔

حالی نے اچھے شعر کے بارے میں یہ بات کہی تھی کہ اس میں سادگی، واقعیت اور جوش ہوتا ہے۔ اور شاعر کے لئے ضروری شرطیں تخیل، مطالعۂ کائنات اور تفحص قرار دی ہیں۔ تخیل شاعری کی جان ہے، اسی سے شاعر کی قوت ایجاد ظاہر ہوتی ہے۔ شاعر کو جو باتیں معلوم ہیں اور جو ایک دوسرے سے تعلق نہیں رکھتیں انکو اس طرح ترکیب دیتا ہے کہ وہ ایک طرف تو ایک دوسرے سے مربوط ہوجاتی ہیں، دوسری طرف ایک ایسی نئی بات پیدا ہوتی ہے جو اس سے پہلے موجود نہیں تھی۔ جیسا کہ غالب کا ایک شعر ہے:

اور بازار سے لے آتے اگر ٹوٹ گیا
جامِ جم سے یہ میرا جامِ سفال اچھا ہے

جامِ جم یگانہ اور یکتا ہے۔ اس کے مقابلے میں جامِ سفال بے حد معمولی چیز ہے۔ شاعر کا تخیل ان معلومہ اشیاء کو اس طرح سے ترکیب دیتا ہے کہ جامِ جم سے جامِ سفال

بہتر بن جاتا ہے۔ اس طرح تخیل ایک ایسی اختراعی قوت بن جاتی ہے۔ جو نئی نئی باتوں کی تخلیق کرتی ہے۔ حالی نے تخیل کے بعد مطالعۂ کائنات کی کی اہمیت کو ظاہر کیا ہے۔ اس سے حالی کا مقصد یہ ہے کہ کائنات میں بے شمار اشیا ہیں جو شاعری کا موضوع بن سکتی ہیں۔ شاعر اگر ان پر غور کرے اور دیکھے تو اسکی شاعری میں وسعت پیدا ہوسکتی ہے۔ نئے موضوعات ہاتھ آسکتے ہیں ــــــ

"تفحص الفاظ" کی بھی شاعری میں بے حد اہمیت ہے۔ اسی لئے حالی شاعری میں "آمد" ہی کو نہیں "آورد" کو بھی اہمیت دیتے ہیں۔ کیونکہ جب کوئی خیال احساس یا جذبہ شعر کا پیکر اختیار کرتا ہے تو وہ کسی نہ کسی حد تک خام صورت میں ہوتا ہے۔ اس خیال، جذبے، یا احساس کی ترسیل کیلئے خاص الفاظ کی تلاش وجستجو ضروری ہوتی ہے۔ کیونکہ ایک بات کو صرف ایک ہی لفظ ادا کرسکتا ہے۔ کوئی دوسرا نہیں۔ جب تک کہ یہ لفظ نہ ملے خیال کی مکمل اور بھرپور ترسیل ممکن نہیں ہوتی۔ اسی لئے حالی الفاظ کی تلاش وجستجو کو ضروری سمجھتے ہیں

راہی کی شاعری کے سلسلے میں ان باتوں کا میں نے اس لئے ذکر کیا ہے کہ شاعری میں یہ پختہ کاری رفتہ رفتہ پیدا ہوئی ہے۔ اور شاعر کا درجہ ان باتوں سے بلند ہوا ہے۔ ان کی شاعری میں جو بات اب بید واضح ہے وہ اس کی سادگی اور سلاست ہے حقیقت کی عکاسی اور تخیلات کا بانکپن ہے۔ وہ بہت ہی سادہ انداز میں اپنی بات کہتے ہیں۔ ان کے خیال میں پیچیدگی ہوتی ہے نہ انداز بیان میں۔ اس لئے اُن کی شاعری راست طور پر متاثر کرسکتی ہے۔ وہ راست انداز میں

اپنے دل کی بات کہتے ہیں ۔ گویا ان کا اسلوبِ شعر نہایت متاثر کن ہے ۔ ان کی شاعری کی یہی خوبی انکے کلام کو قابلِ قبول بناتی ہے ۔ کسی بھی شاعر کے کلام کا مقبولیت حاصل کر لینا بھی بڑی بات ہے ۔ راہی نئے لب و لہجہ اور حقیقت نگاری کے شاعر ہیں ۔ انہیں غزل کا شاعر کہا جائے تو مبالغہ نہیں ۔ ویسے وہ نظمیں بھی لکھتے ہیں ۔ ان کی نظم "تخلیق" سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ شاعر روایات کی فصیلوں سے باہر آنا چاہتا ہے ۔ اردو ادب میں نئے راستے، نئے لب و لہجہ کی تخلیق کرنا چاہتا ہے ۔ دوسری نظموں میں "بازگشت" "یادیں" اور "کامرانی" قابلِ ذکر ہیں ۔

راہی کی مقبولیت کے وصف کا اندازہ انکے کلام کو پڑھ کر لگایا جا سکتا ہے میں آپکے اور شاعر کے درمیان زیادہ دیر تک حائل نہیں رہنا چاہتا ۔ اسلئے ان کے کلام کے چند منتخب اشعار کو پیش کرتا ہوں تاکہ آپ کو ان کے رنگِ شاعری کا کسی قدر اندازہ ہو سکے ۔ سادگی کیسا آج کی تلخ واقعیت انکی شاعری کا امتیازی وصف ہے ۔



"یہ تشنگی بھی عجب ہے کہ بجھ نہیں پاتی ؛؛ نظر نظر میں کئی بار دور چلتا ہے"

حیاتِ نو کی علامت ہیں ہم، مگر یہ کیا ؛؛ ہمارا ذکر بھی ذہنوں میں آج کھلتا ہے

جو پڑھ سکو تو بہت ہیں دلوں کی تحریریں ؛؛ مجھے یقین ہے کہ ہر چہرہ اک کتاب ہو گا

کسے خبر تھی کہ راہِ حیات کا جادہ ؛ حقیقتوں کے لبادے میں کوئی خواب ہوگا

درحقیقت زندگی کی حقیقت اُسے ملی ؛ دیوانگی کے نام پہ جو در بہ در گیا

لاش اپنی اُٹھائے پھرتا ہوں ؛ یہ بھی جینے کی ایک صورت ہے

زخم ہے، درد ہے، جراحت ہے ؛ زندگی پھر بھی اک حقیقت ہے

عشرت ہو، غم ہو، درد ہو یا اضطراب ہو ؛ مجھکو تو زندگی کے ہر عنواں سے پیار ہے

اب تو میری حیات کے عنوان ہیں یہی ؛ گیتوں کا بانکپن، کہیں زخموں کی چاندنی

جسموں کی آنچ ہی سے تو روشن ہے یہ جہاں ؛ کچھ فاصلے ہیں انکو گھٹا دینا چاہیے

پروفیسر ڈاکٹر یوسف سرمست

صدر شعبۂ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

۲۳ ڈسمبر ۸۶ء

تعارف

اب سے دو دہے قبل میرے ہاں ایک نوجوان آیا۔ اور بڑے ہی
اخلاص و محبّت کیساتھ ملا۔ میں نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ موصوف کا نام
محمد عبدالنعیم ہے۔ اور قلمی نام نعیم راہی ہے۔ قلمی نام کے ساتھ ہی میں سمجھ گیا کہ
ہماری لعنت میں مبتلا ہے۔ قارئین مجھے معاف کریں مجھے ایک عظیم فن
لعنت لکھتے ہوئے دُکھ ہوتا ہے۔ اور اب تو واقعی میرے لئے تو لعنت ہے۔
نعیم راہی سے میں نے دریافت کیا، کیا کرتے ہو تو انہوں نے بتایا
بی۔ یو۔ سی کا طالب علم ہوں، سائنس اور ریاضی میرا مضمون ہے۔ اور میں
یہاں ایک ہاسٹل میں رہتا ہوں۔ شعر کہنے کی طرف طبیعت مائل ہے۔
اب تک میں نے علاّمہ نجم آفندی اور حضرت اوج یعقوبی کو اپنے شعر دکھائے
ہیں۔ میں نے کہا یہ تو بہت اچھّا ہے۔ مگر میرے یہاں آپ کس سلسلہ میں
آئے ہیں۔ اس نے کہا کہ مجھے آپ کے شعر کہنے کا انداز بہت پسند ہے اور
میں چاہتا ہوں کہ آپ سے فنِ عروض سیکھوں۔ اور آپ سے اصلاح لوں۔
دوسری بڑی وجہ آپکے ہاں آنیکی یہ ہے کہ میں آپ کا ہم وطن ہوں۔
اس کے بعد نعیم راہی سے ہماری اُستادی اور شاگردی کا سلسلہ
چلتا رہا۔ اور آج تک یہ سلسلہ باقی ہے۔ نعیم راہی کے اندر کا شاعر اپنے شعری سفر

پر بڑی عمدگی سے گامزن ہے۔ سفر کی ایک منزل تو آ ہی گئی ہے۔ جو "شہرِ وفا" کی صورت میں قارئین کے سامنے ہے۔ نعیم راہی کی مشقِ سخن نے فکر اور اظہار میں اچھی گرفت حاصل کر لی ہے۔ یہ تو پہلی منزل ہے۔ نعیم راہی کے سامنے فکر کی ایک بڑی شاہراہ ہے۔ اور ان کا یہ شعری سفر نہ جانے ایسی کتنی منزلیں بناتے ہوئے گذرے۔ دو دہے پہلے کا نعیم راہی جو ایک کالج کا طالب علم تھا۔ آج وہ جونیر کالج پر ایک اچھا اور مقبول استاد بھی ہے۔ اپنی جگہ پر صرف شاعری نہیں۔ ادب زبان اور شعر کی خدمت بھی اپنا فرض سمجھتا ہے۔ اس نے تانڈور جیسے مقام پر جہاں پہلے ہی سے ادبی شمع روشن تھی۔ وہاں اس نے مشعل جلادی ہے۔ کئی بڑے بڑے مشاعرے کئے۔ ادبی انجمنیں چلائیں۔ اور اب بھی وہ "انجمن کل ہند ایوانِ ادب تانڈور آندھرا پردیش" کا صدر ہے۔ قارئین پڑھ کر خود فیصلہ کر لیں کہ نعیم راہی میں شعر کہنے کا کتنا سلیقہ ہے۔ اگر میں اُن کی شاعری کا جائزہ لوں تو پڑھنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ خود تعارف لکھنے والے کی تعریف کا پہلو نکل آیا۔ اب میں یہ فیصلہ قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ وہ "شہرِ وفا" کا کھلے دل سے استقبال کریں۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکے شاعر کی پذیرائی کریں۔

(جناب) خیرات ندیم

۲۲
۱۲/۸۶ء

نعیم راہی ــــــ میری نظر میں

رُک جانا تو موت ہے راہی ⁂ زیست مسلسل ایک سفر ہے

بقول نعیم راہی کے وہ خود بھی زندگی کے کسی موڑ پر ٹھہراؤ و جمود کو پسند نہیں کرتے۔ جمود و ٹھہراؤ دُنیا کی کوئی بھی زبان قبول نہیں کرتی شاید یہی وجہ ہے کہ نعیم راہی کے کلام میں جدّ و جہد کاوشیں اور زندگی کا پیغام و جینے کی تمنائیں جگہ جگہ ملیں گی۔

ویسے بھی نعیم راہی میرے ایک ہم وطن اور جواں سال شاعر ہیں۔ جنکو میں گذشتہ ربع صدی سے جانتا ہوں۔ وہ مسلسل محنت و جدوجہد کرنے کے عادی ہیں۔ نہ صرف شعری میدان میں انھوں نے نمایاں مقام بنایا ہے بلکہ خود اپنی زندگی میں زمانۂ طالبعلمی سے ہی سماجی، علمی، و ادبی کاموں میں حصہ لینا اور ترقی کی راہیں ہموار کرنا اور اپنے مقصد میں کامیابی حاصل کرنا انکا نصب العین رہا ہے اور مسلسل وہ کامیابیوں کی جانب بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ نعیم راہی ایک ممتاز شاعر کے علاوہ مخلص ساتھی اور ہمدرد انسان بھی ہیں۔

میں یہ بات یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ نعیم راہی غزل کے بہترین شعراء میں سے ایک ہیں جنکا کلام ملک کے بیشتر رسالوں و اخبارات میں شائع ہوتا رہتا ہے۔ اب جبکہ انکی کتاب "شہر وفا" زیور طباعت سے آراستہ ہوکر منظر عام پر آرہی ہے، تو میں انھیں دلی مبارکباد دیتا ہوں

نیک تمناؤں کیساتھ

(جناب) ایم۔ مانک راؤ (سابق وزیر اطلاعات و تعلقات عامہ)
حکومت آندھرا پردیش

"اپنے بارے میں"

"شہرِ وفا" میرا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ جس میں میری شعری تخلیقات (غزلیں اور نظمیں) ہیں۔ میں کوئی ربع صدی سے شعر کہہ رہا ہوں۔ ۱۹ جولائی ۱۹۴۸ء کو تانڈور ضلع حیدرآباد (رنگا ریڈی) کے ایک متوسط گھرانے میں پیدا ہوا۔ اور حصولِ اعلیٰ تعلیم کے بعد محکمۂ تعلیمات سے وابستہ ہوگیا۔ آجکل گورنمنٹ جونیر کالج تانڈور پر ریاضی اور طبعیات کا اُستاد ہوں۔

مجھے زمانۂ طالبعلمی سے ہی شعر سے اور خاص کر صنفِ شاعری میں غزل سے بے حد لگاؤ رہا ہے۔ گویا بچپن ہی سے میرے کان شعری فضا سے آشنا رہے ہیں۔ جب مجھے یہ محسوس ہوا کہ میں جو کچھ بھی لکھ رہا ہوں۔ وہ شعر کی تعریف میں آجاتے ہیں۔ تو میں نے ملک الشعراء حضرت اوج یعقوبی حضرت خیراتی ندیم اور حضرت خورشید احمد جامی سے فیضِ سخن حاصل کیا۔ اور مسلسل شعر کہنا شروع کردیا۔ رفتہ رفتہ میرا کلام ہندوستان کے تقریباً سبھی رسائل اور جرائد و اخبارات میں شائع ہوتا رہا ہے۔ اور آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کے نیرنگ پروگرام میں اکثر و بیشتر میرا کلام نشر ہوا ہے اور ہوتا آرہا ہے۔ یہ بات میں پورے یقین کیساتھ کہہ سکتا ہوں کہ حیدرآباد

علم و ادب کا گہوارہ ہے۔ بلکہ اسے "شہرِ غزل" کہا جائے تو بہت بہتر رہیگا۔ خوش نصیبی سے اسی غزل کے شہر میں مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میں ہندوستان بلکہ ہند و پاک کی نامور شخصیتوں کے ساتھ مشاعرے و محفلیں پڑھ چکا ہوں۔ ان کے ساتھ بیٹھنا، اٹھنا معمول رہا ہے۔ ان نامور شعراء، ادبا اور صحافیوں میں قابلِ ذکر جناب مخدوم محی الدین، جناب خورشید احمد جامی علامہ حاذق طیفوری، سلیمان اریب، ملک الشعراء اوج یعقوبی، طالب رزاقی حضرت خیرات ندیم، شاذ تمکنت، علی احمد جلیلی، راج بہادر گوڑ، ڈاکٹر سی نارائن ریڈی، امیر احمد خسرو، ابن احمد تاب، پروفیسر حکیم یوسف حسین خان پدم شری، عابد علی خان، محمود انصاری، عاتق شاہ، سلیمان خطیب، علامہ حیرت بدایونی، علامہ نجم آفندی، غیاث صدیقی، اختر حسن، محبوب حسین جگر سعید شہیدی وغیرہ ہیں ـــ میرے ہمعصر شعراء و ادباء میں جناب رؤف خلش، رؤف خیر، علی الدین نوید، حسن فرخ، غیاث متین صلاح الدین نیر، رئیس اختر، فیض الحسن خیال، فکری بدایونی، صدیق کوثر قطب سرشار اور مسیح انجم ہیں۔

میری تخلیقات قارئین کی خدمت میں پیش ہیں جس سے وہ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ میں شاعری میں جدت پسندی اور ترقی پسند رجحانات سے کس حد تک متاثر ہوں۔ نئے ڈکشن و اسلوب کو کس طرح اپنایا ہے۔ اور کس انداز میں زندگی کے حقائق کو شعر کے سانچوں میں ڈھالا ہے۔ میرے شعر

برے ذہن کی عکاسی کرتے ہیں۔ جو زندگی کے دائروں پر مشتمل ہوتا ہے۔
نے اپنی شاعری کے بارے میں کچھ کہنا نہیں ہے۔ یہ فیصلہ تو باذوق قارئین
کر سکتے ہیں کہ میں نے انسان کے درد، احساس، جذبات وخیالات کو
س انداز سے شعری پیکر میں ڈھالا ہے۔

اب بھی میں جو کچھ لکھتا ہوں وہ میرا اپنا مشاہدہ و تجربہ ہے
حول وحالات کی دین ہے۔ کائنات کا درد ہے، ازل سے انسان کی
لتی ہوئی حیات جاوداں ہے، غمِ عاشقی، رنج والم سے پیار ہے۔
نہیں میرا شعری سفر اپنے دامن میں لے لیتا ہے۔

آج سے چار سال قبل ۱۹۸۲ء میں اُردو اکیڈمی حکومت
ندھرا پردیش نے "صدرنگ" کے نام سے ایک شعری مجموعہ شائع
یا ہے۔ جس میں میرا تعارف اور کلام موجود ہے۔ جو میرے لئے ایک اعزاز ہے۔

جہاں تک مشاعرے پڑھنے کا تعلق ہے آندھرا پردیش کے علاوہ
رناٹک، اور مہاراشٹرا میں مشاعرے کئی ایک بار پڑھ چکا ہوں۔

آج کل کئی علمی وادبی انجمنوں سے وابستہ ہوں۔ جس میں
قابل ذکر کل ہند ایوانِ ادب تانڈور آندھرا پردیش کے صدر کی حیثیت
سے مقدور بھر کوشش کرتا ہوں کہ اُردو کے کاز کو آگے بڑھا سکوں۔

آخر میں میں اُن تمام حضرات کا شکریہ ادا کرنے سے پہلے
جناب یم۔ مانک راؤ سابق وزیر ریاست آندھرا پردیش کا بیحد ممنون و مشکو

ہوں کہ وہ بچپن سے اب تک ہر جگہ میری رہبری کرتے رہے۔ وہ میرے لیئے
ایک محسن و مخلص انسان ہیں۔

"شہر وفا" کو منظر عام پر لانے کیلئے جن اصحاب نے میرا ساتھ دیا
اُن میں قابل ذکر پدم شری جناب عابد علی خان، جناب یم۔ مانک راؤ، پروفیسر
پروفیسر ڈاکٹر یوسف سرمست، جناب محبوب حسین جگر، جناب خیرات ندیم
جناب محمد عبدالمجید (مالک ماڈرن پریس) جناب محمد یوسف آرٹسٹ، عبدالغنی خوشنویس
جناب محمد ہدایت علی و جناب محمد یوسف علی صاحب (مالکان لکی پریس) سید کلیم اللہ قادری عرف سلیم صاحب
ہیں جن کا میں ممنون ہوں۔

نعیم راہی

گورنمنٹ جونیر کالج تانڈور ضلع رنگاریڈی

اے۔ پی۔ (الہند)

غزلیں

نعیم راہی

کیا بات ہے کہ جہدِ مسلسل کے باوجود
ملتے رہے حیات کو زخموں کے پیرہن!!

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نور کا پیکرؐ

جب بھی پڑھتا ہوں درود ایک ندا آتی ہے
جیسے سانسوں سے محمدؐ کی صدا آتی ہے

بس اُجالے ہی اُجالے نظر آئیں گے اُدھر
جب بھی جس سمت مدینے کی ہوا آتی ہے

پتّے پتّے پہ کھلا دیتی ہے اِک تازہ حیات
سبز گنبد سے لپٹ کر جو صبا آتی ہے

تجھ سے غافِل جو ہوئے، ہو گئے سب سے غافل
یادِ محبوب سے ہی یادِ خدا آتی ہے

مجھ کو پہنچا دے کبھی سرورِ کونین کے پاس
بار بار آئی ہے، لب پر یہ دعا آتی ہے

وحدتِ نور کا پیکر و بہاروں کا امین
جِس کے قدموں سے دو عالم میں ضیا آتی ہے

آپؐ کا نام ہے بخشش کا وسیلہ راحتیؔ
آپؐ کے ذکر سے رحمت کی گھٹا آتی ہے



رباعی

بربادی کے افسانے سناتی ہے شراب
ہر چہرے کو مکروہ بناتی ہے شراب
ہر شخص کو اللہ بچائے اس سے
یوں دامنِ ہستی کو جلاتی ہے شراب



قطعہ

وجود کچھ نہیں رہتا ہے ابن آدم کا
شراب نام ہے بربادیوں کے عالم کا
ہر ایک عہد کی تہذیب اس سے نالاں ہے
کہ ایک شور ہے پوشیدہ اس میں ماتم کا





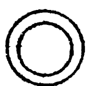
قطعہ

بیکسی کی مثال پوچھوں گا
زندگی سے سوال پوچھوں گا
جو بھی نازاں ہیں جسم پر اپنے
اُن سے مٹی کا حال پوچھوں گا



اب جوابِ سوال پوچھوں گا
ایک ایسی مثال پوچھوں گا
جو بھی نازاں ہیں حُسن پر اپنے
اُن سے یوسف کا حال پوچھوں گا





اِتنا تو دوستوں کو بتا دینا چاہیئے
حرفِ وفا لُغت سے مِٹا دینا چاہیئے

خود زندگی ہی ایک سزا ہے اِس عہد میں
پھر زندگی کو کیسی سزا دینا چاہیئے!!

طُوفاں میں اور شعلۂ اِحساس ہو بُلند
خود داریوں کی اِسکو ہوا دینا چاہیئے

وہ بھی اُدھر خموش، اُمیدیں اِدھر اُداس
دیوار درمیاں کی گِرا دینا چاہیئے

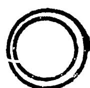
جِسموں کی آنچ ہی سے تو روشن ہے یہ جہاں
کچھ فاصلے ہیں اِن کو گھٹا دینا چاہیئے

مہر و وفا، خلوص تو زندہ اسی سے ہیں
زخموں کی زندگی کو دُعا دینا چاہیئے!!

زندہ حقیقتوں سے بڑھاؤ تعلّقات
وہموں کے سب چراغ بُجھا دینا چاہیئے

اب قہقہوں میں بند ہے ہر غم کی آبرو
حالات کا مذاق اُڑا دینا چاہیئے

راہیؔ بہ فیضِ دار یہ دولت ملی مجھے
آدابِ عشق سب کو سکھا دینا چاہیئے



جلوے کہیں اُن کے جو سہاروں کی طرح تھے
اشعار میرے شوخ اشاروں کی طرح تھے

اُن چہروں کو حالات نے کیا کر دیا آخر
ہنستے ہوئے چہرے جو بہاروں کی طرح تھے

ہم نے کئی سورج اُنہیں ہر گام پہ بخشے
جو رات کے گمبھیر نظاروں کی طرح تھے

ہم پھول تھے خوشبو سے ہزاروں کو نکھارے
دُنیا کی نگاہوں میں تو خاروں کی طرح تھے

حالات کا ہر زخم نمائش تھا، عیاں تھا
ہم شہر میں تقدیر کے ماروں کی طرح تھے

سوچو تو یہاں کتنی نگاہوں کا تھے مرکز
ہم دہر میں سینوں کے ابھاروں کی طرح تھے

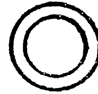
اِس عہد کے زخموں کا نہیں کوئی مداوا
ہم بھی کبھی جذبات کے دھاروں کی طرح تھے

ہر ڈوبتے تنکے کا سہارا ہی رہے ہیں
آغوش ہمارے تو کناروں کی طرح تھے

کپڑے بھی کہیں قید کی دیوار بنے ہیں!
اُس جسم کے فِتنے تو شراروں کی طرح تھے!!

پلکوں پہ تڑپتے رہے دامن پہ نہ آئے
راہی میرے آنسو تو سِتاروں کی طرح تھے





صحرائے زندگی میں بہت دیر سے کھڑا
ماتھے پہ زندگی کے تجھے دیکھتا رہا

تکمیلِ آرزو کا تو لمحہ نہ مل سکا
صدیوں سے ساتھ ہے یہ خیالوں کا سلسلہ

لٹتے رہے حیات کے یہ شہر آرزو
ویرانیوں نے بڑھ کے گلے سے لگا لیا

مایوسیوں نے روک دیئے بڑھ کے راستے
منزل تو سامنے تھی مگر دیکھتا رہا

مہر و وفا، خلوص و محبت مری بساط
اب اسکے بعد تو ہی بتا دے سکوں گا کیا؟

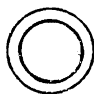
بخشتے تھے وقت نے جو مجھے زخمِ آرزو
ہر زخم سے خود اپنا پتہ پوچھتا رہا

راہی حیات سے مجھے تنہائیاں ملیں
طے ہو سکا نہ آج بھی فرقت کا فاصلہ



"ایک شعر"

جس کو توفیق انتظار نہیں
اس کی ہمّت کا اعتبار نہیں



کیا بات ہے اک لمحۂ شاداں نہیں ملتا
دنیا میں مرے درد کا درماں نہیں ملتا

جیتے ہیں سبھی اپنے فسانوں کے سہارے
کیا میرے فسانے ہی کو عنواں نہیں ملتا!

منزل بھی عجب، جادۂ منزل بھی عجب ہے
ویرانے تو ملتے ہیں گلستاں نہیں ملتا

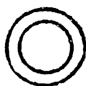
آلام و مصائب نے نکھاری مری ہستی
کس نے کہا ہر داغ درخشاں نہیں ملتا؟

کچھ رنج ملے، درد ملے شہرِ وفا میں
جینے کے لئے کیا مجھے ساماں نہیں مِلتا؟!

کب کے ہی بدل جاتا میری زیست کا عنواں
نظروں کو میری جلوۂ جاناں نہیں مِلتا

دیوانہ بنا پھرتا ہوں یہ اُس کا کرم ہے
یہ کِس کو بتاؤں، کوئی انساں نہیں مِلتا

راہیؔ مجھے افسوس ہے اِس عمرِ رواں میں
غم یوں تو کئی ہیں، غمِ جاناں نہیں مِلتا



کس کی توجہ کا یہ اثر ہے
کتنا گہرا، زخمِ جگر ہے

میرا اپنا عزمِ سفر ہے
میری اپنی راہ گذر ہے

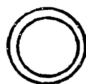
کس کو سنائیں، کس کو بتائیں
کون کہاں ہے، کس کو خبر ہے!

روشن عارض، بکھری زلفیں
شامِ غزل ہے، حسنِ سحر ہے

جانِ چمن ہے میرا نشیمن
برق کو لیکن اس کی خبر ہے!

دل پر جب سے نقش ہے تیرا
سب کی میرے دِل پہ نظر ہے

رُک جانا تو موت ہے راہی
زیست مسلسل ایک سفر ہے



حُسن اور عشق ہیں دونوں گھائل
کس کو کہیں ہم کون ہے قاتل

نظریں سب کچھ کہہ دیتی ہیں
کون ہے بسمل، کون ہے قاتل!

راہِ وفا میں لاکھ ہیں رہزن
ڈھونڈیں کیونکر یار کی منزل

عشق کا قصہ پنہاں پنہاں
حُسن کا چرچہ محفل محفل

حُسن ہو رُسوا عِشق کے بدلے
ہم تو نہیں ہیں اِس کے قائِل

چیخ رہے ہیں رہبر بھی اب
دُھندلی راہیں، دور ہے منزل

یادوں کی محفِل میں یارو
رقص ہیں ہے پھر ماہِ کامِل

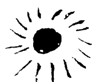
کیا کہیے رہبر کے کرم کو
ہم بھی بھٹکے نزدِ منزِل



ہم ہی نہیں ہیں عشق کے مارے
چیخ رہی ہے دُنیا دِل دِل

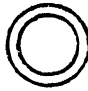
ڈوبنا میرا ڈرتے ڈرتے
شوق سے دیکھیں اہلِ ساحل

طُوفانوں کی زد میں راہیؔ
ہم نے دیکھا دور سے ساحل



"ایک شعر"

ہمسفر آپ اگر راہِ وفا میں ہوتے
کشتیٔ زیست کا میری بھی کنارہ ہوتا



نذرِ خورشید احمد جامی

اے آبروئے شعر و ادب، جامیِ دکن
قائم ہے تجھ سے حسنِ غزل اور بانکپن

جیسے نفس نفس سے ہوں شعلہ فشانیاں
جلتے ہوئے خیال ہیں، جلتے ہوئے بدن

ہیں کتنے دلفریب خیالوں کے سلسلے
جیسے کہ دشتِ یاس میں اُمید کی کرن

چہرے پہ زندگی کے روایت کی گرد ہے
اُبھری ہے پھر سے وقت کے ماتھے پہ اک شکن

بے نام آرزوؤں کے بے نام قافلے
جانے کہاں پہ سو گئے اوڑھے ہوئے کفن

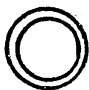
۳۵

کیا بات ہے کہ جہد مسلسل کے باوجود!
ملتے رہے حیات کو زخموں کے پیرہن!!

مغموم کائنات ہے مسموم ہے فضا
ماحول جیسے خود ہی ہو ماحول کی گھٹن

ہے آرزو یہی کہ ٹھہر جائے زندگی
ہو کائنات رقص میں اور جھوم اٹھے گگن

ہیں دھندلی دھندلی راہیں محبت کی آج بھی
ہم ہیں کہاں یہ راہی کہاں ان کی انجمن



جو درد ملے، رنج ملے پیار میں لوگو
وہ تم کو نظر آئیں گے اشعار میں لوگو

ہر اشک زباں بن گیا اظہار میں لوگو
ڈھونڈو مجھے اب وقت کے معیار میں لوگو

جینے کا سلیقہ کوئی پوچھے کبھی ہم سے
کیا لطف ہے، کیا کیف ہے آزار میں لوگو

اک وہ ہیں کہ دُنیا کی خبر ہی نہیں جنکو
اِک ہم ہیں کہ گم ہیں رسن و دار میں لوگو

ہر دل کے دھڑکنے میں جو پوشیدہ ہے راہی
وہ درد ہی ڈھونڈو مرے اشعار میں لوگو



سانولی سی اک شام کھڑی تھی
یا تیری زلفوں کی لڑی تھی!
ہجر کی رات تھی کالی کالی
ہجر کی رات تھی کالی کالی
فرقت کی بھی دھوپ کڑی تھی!

ایک کسک تھی، ایک تمنّا
میری دنیا کتنی بڑی تھی!!

پلکوں پر چمکے ننھے ستارے
اشک تھے یا موتی کی لڑی تھی

درد کا موسم کتنا سہانا
اور اس پر زخموں کی جھڑی تھی!

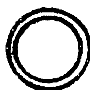
ارمانوں کا خون ہُوا تھا
یا سپنوں کی لاش پڑی تھی!!

پیار کی آگ کے شعلے بھڑکے
کِس سے اپنی آنکھ لڑی تھی

ذِکر کِسی کا جب بھی آیا
افسانے میں جان پڑی تھی

زیست کا عالم دیکھ کے راہیؔ
محوِ حیرت زیست کھڑی تھی





محفلِ درد سجاؤ تو کوئی بات بھی ہے!
فکر کی شمع جلاؤ تو کوئی بات بھی ہے!!

خونِ دل اور سہی، خونِ جگر اور سہی
عظمتِ فن کو جگاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

سوزِ ہستی سے کبھی، سوزِ تخیّل سے کبھی
آنچ نغموں کی بڑھاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

سُن کے ہر شخص پکار اُٹھے کہ یہ میرا ہے
ایسا افسانہ سناؤ تو کوئی بات بھی ہے!

ظلمتِ شب کی فصیلوں سے بہ عزم و ہمت
ایک سورج ہی اگاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

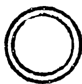
غم کی راہوں میں بہاروں کی طرح ہنس ہنس کر
دل کا ہر زخم سجاؤ تو کوئی بات بھی ہے!

کب سے سناٹا ہے راہی مری ان راہوں میں
کوئی طوفان اٹھاؤ تو کوئی بات بھی ہے



ایک شعر

بجلی چمک گئی کہ مرا دل ٹھہر گیا
شاید مرے قریب سے کوئی گذر گیا



دُنیا کی ہر خوشی سے
غم ہے، تو زِندگی ہے

سب کچھ تو ساتھ ہیں سے
اُن کی مگر کمی ہے

پھولوں کی زندگی بھی!
کیا خوب زندگی ہے!!

لگتا ہے میرے آنگن
برسوں سے وہ کھڑی ہے

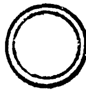
اپنے کو بھول جانا
احساسِ کمتری ہے!

لے دے کے پاس میرے
یادوں کی اِک پری ہے!

زخموں کی آج بھی تو!
کھیتی ہری بھری ہے!!

ساغر بہ کف ہیں بادل
لیکن تیری کمی ہے

مٹ جانا حوصلوں کا
راہی یہ خودکشی ہے!



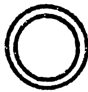
بہ مآلِ درد ہی ہے کہ پیام تک تو پہنچے
غمِ عاشقی کے صدقے غمِ عام تک تو پہنچے

بہ ادائے سرفروشی، بہ ادائے کیف و مستی
میرے ہاتھ آج ساقی ترے جام تک تو پہنچے

بہ حجابِ نوعروساں عجب احتیاط برتی
میرا تذکرہ تو چھیڑا، مرے نام تک تو پہنچے

ترے جسم کی وہ خوشبو جو دلوں میں بس گئی ہے
کبھی زلف کے سہارے مری شام تک تو پہنچے

ہے نگاہ منتظر میں وہی ایک تیرا جلوہ
کبھی بام تک تو آئے کبھی بام تک تو پہنچے



بھُولے افسانے مجھے یاد دِلاتا کیوں ہے
مرے ماضی کو صلیبوں پہ چڑھاتا کیوں ہے

میرے احساس کے آنگن میں وہ آتا کیوں ہے
میری خوابیدہ اُمنگوں کو جگاتا کیوں ہے

تیرے سینے سے سرکتا ہوا رنگین آنچل
میرے جذبات میں کہرام مچاتا کیوں ہے

لذّتِ درد نے بخشا ہے شرابوں سا سرور
لذّتِ درد کا معیار گھٹاتا کیوں ہے

آدمی، چاند ستاروں کا طلبگار سہی
اپنے ماضی سے مگر آنکھ چُراتا کیوں ہے

سوچتا ہوں یہی راہی کہ مرا جذبۂ شوق
دشمنِ فکر سے بھی ہاتھ مِلاتا کیوں ہے



اپنا دکھائی دے نہ پرایا دکھائی دے
ہر شخص تیرے شہر میں جلتا دکھائی دے

شاخِ جنوں پہ پھول دہکتا دکھائی دے
آنکھوں سے آج خون ٹپکتا دکھائی دے

جو رہگذر ملی وہ تیری رہگذر ملی!
دیکھوں جدھر بھی ایک ہی چہرہ دکھائی دے

جھونکے خزاں کے تند ہیں اے گردشِ حیات
یادوں کا اک چراغ بھی بجھتا دکھائی دے

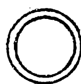
ہونٹوں پہ آج گردشِ دوراں ترے طفیل
جیسے تبسّموں کا جنازہ دکھائی دے

پینا جو چاہتا ہوں سکوں کیلئے تو دوست
ساغر سے آج درد چھلکتا دکھائی دے

اس دشتِ آرزو میں جدھر بھی نظر گئی
ہر شخص آج تشنہ و تنہا دکھائی دے

چہرے کھلی کتاب ہیں اور پڑھ رہا ہوں میں
راہی غمِ حیات کا نقشہ دکھائی دے





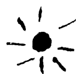
ادائیں ہیں بہت الفت میں، غم میں، پیار میں لوگو
ہزاروں "ہاں" نکل آتے ہیں اِک اِنکار میں لوگو

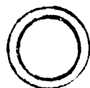
میں کانٹوں کو بھی سینے سے لگا کر جھوم اٹھتا ہوں
نظر آتی ہے جب بھی روحِ گل ہر خار میں لوگو

سکونِ گنجِ تنہائی میں حاصل ہو نہیں سکتی
مگر جو زندگی کی بات ہے سنسار میں لوگو!

وہی اب ہو رہا ہے اور نہ جانے کب تلک ہوگا
جو دیکھا تھا تماشا مِصر کے بازار میں لوگو

میں راہی اب بھی دل کی دھڑکنوں میں بند رہتا ہوں
مجھے کیوں قید کرتے ہو در و دیوار میں لوگو





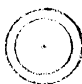
دِل منوّر ہے، بات روشن ہے
شاہ راہِ حیات روشن ہے

اِک اُچٹتے ہوئے تبسّم سے
دِل کی یہ کائنات روشن ہے

اُس کی ہر برہمی ہے تاریکی
اُس کا ہر التفات روشن ہے

کچھ ستارے ہیں آج پلکوں پر
یوں مرے غم کی رات روشن ہے

اِتنے تاریک حادثوں میں نعیمؔ
دِل کی ہر واردات روشن ہے



خود اپنے ماضی کی تاریخ ہی کو دہراؤ
نئی سحر کیلئے پھانسیوں پہ چڑھ جاؤ

ہر ایک دل میں جلاؤ، مسرتوں کے چراغ
غموں سے ہاتھ ملاؤ، جنوں کو اپناؤ

ضرورت ہے کہ اب اس دور کے اندھیرے میں
جو ہو سکے تو ارادوں کی برق چمکاؤ

حقیقتوں سے ملو زندگی کی راہوں میں
توہمات کی اونچی فصیل کو ڈھاؤ

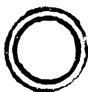
کبھی تو غور کرو، خود سے دُور ہو کتنے!
کبھی تو سوچو، خود اپنے قریب تو آؤ!

بنامِ عشق و محبت یہ بات یاد رہے
مسائلِ غمِ ہستی کے زلف سلجھاؤ

وہ جام تشنگیٔ شوق جس سے بُجھتی ہے
وہ جام سارے زمانے میں آج چھلکاؤ

اب اپنے فن کو بناؤ حیات کا حاصل
جہاں بھی جاؤ تو راہی دلوں کو گرماؤ





پھر اُبھرنے لگیں غم کی پرچھائیاں
پھر سے لینے لگا درد انگڑائیاں

چاندنی رات اور میری تنہائیاں
درد نے مول لیں مفت رُسوائیاں

بزم سونی ہے، افسردہ ہے زندگی
وہ جو آئیں تو ہوں جلوہ آرائیاں

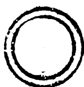
مست آنکھوں کے چھلکے ہوئے جام میں
گھول دیجئے تبسم کی رعنائیاں

لذّت درد میں کچھ اضافہ ہوا
دِل میں بجنے لگیں غم کی شہنائیاں

شام، گیسو میں منہ اپنا ڈھانکے ہوئے
صُبح کی ترے عارِض پہ رعنائیاں!

کون سمجھے کہ غم کی حقیقت ہے کیا!
کون جانے ہیں کیا غم کی گہرائیاں!!

فکر کے راستے اور روشن ہوئے
مجھ کو راہیں ملیں جب سے تنہائیاں



درد اور غم کی ایک مورت ہے
"زندگی کتنی خوبصورت ہے"!!

زخم ہے ، درد ہے ، جراحت ہے
زندگی پھر بھی اِک حقیقت ہے

کہیں ظلمت کدہ ہے شکلِ حیات!
اور کہیں آفتاب صورت ہے!!

لاش اپنی اٹھائے پھرتا ہوں
یہ بھی جینے کی ایک صورت ہے

ساری خوشیاں نثار کردوں گا
تیرے غم کی مجھے ضرورت ہے

آپ کے کاسۂ تخیّل میں
صرف کینہ ہے، اور کدورت ہے

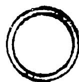
جام ہے، چاندنی ہے، موسمِ گُل
اور اب آپ کی ضرورت ہے

خود ہی دیکھینگے آج ہم راہی
اپنے زخموں کی جو مہورت ہے



ایک شعر

خالی تخیّلات کا کاسہ لئے ملے
بھٹکی ہوئی حیات کے دریوزہ گر مجھے



ہے وقت کے نقیبوں کا چرچا گلی گلی
جیسے خلوص و پیار کا سایہ گلی گلی

ہر شخص کہہ رہا تھا کہ یہ میرا درد ہے
وہ کیا پیام تھا کہ جو پہنچا گلی گلی!

ہنگامۂ حیات میرا حوصلہ تو دیکھ
دیکھا ہے آرزو کا جنازہ گلی گلی

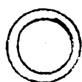
کیا گردشِ حیات کا مجھ پر کرم نہ تھا
تیری طلب نے کھینچ کے لایا گلی گلی

پرتو کہیں مِلا، کہیں نقشِ قدم ملے،
دیکھا مِری نگاہ نے کیا کیا گلی گلی

گھٹتا نہیں ہے، خونِ تمنّا کا فاصلہ
شہروں سے لے کے کوچہ بہ کوچہ گلی گلی

خوشبو وفا کی پھیل گئی کائنات میں
تیرا خیال آج جو مہکا گلی گلی

راھی بنامِ ہوش و خرد ہو رہا ہے اب
رُسوائی جنوں کا تماشا گلی گلی



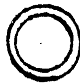
ظلمتِ عہد میں اِک ایسی ضیا ٹھہری ہے
اب تیری یاد ہی جینے کی ادا ٹھہری ہے

زندگی، پیار کا، جذبات کا تحفہ ہے مگر
زندگی، میرے لئے ایک سزا ٹھہری ہے!

کِس کے ہاتھوں میں ہے تنظیمِ زمانہ کی عنان
شہر میں کب سے یہ مسموم فضا ٹھہری ہے

اب کوئی زخم مہکتا ہے، نہ شعلوں میں لپک
اب تیری یاد بھی کیا مجھ سے خفا ٹھہری ہے

آرزوؤں کی یہاں بھیڑ لگی ہے راہی
درِ دل پر کِسی دستک کی صدا ٹھہری ہے



جنوں کی آنکھ سے چھلکا ہوا شباب ہوگا
ترا بدن بھی تو مہکا ہوا گلاب ہوگا

ترے خیال کی بارش جہاں کہیں ہوگی
وہاں سُلگتا ہوا ایک آفتاب ہوگا

مری حیات سے جو دور دور چلتی ہو
مرا وجود ہی شاید کوئی سراب ہوگا

جو پڑھ سکو تو بہت ہیں دلوں کی تحریریں
مجھے یقین ہے کہ ہر چہرہ اک کتاب ہوگا

ہماری عرضِ تمنا یہ، آرزوؤں پر
جو مسکراؤ کبھی تو یہی جواب ہوگا

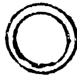
تمام زیست کی رعنائیاں ہیں اسکو نصیب
تمہارے درد کا مارا کہیں خراب ہوگا!!

تمہاری زلف کے پرچم کی چھاؤں مل جائے
تو میری زیست کا مقصد ہی انقلاب ہوگا

کسے خبر تھی کہ راہِ حیات کا جادہ
حقیقتوں کے لبادے میں کوئی خواب ہوگا

"ایک شعر"

کیا کیا دکھائے، دیکھئے منظر یہ زندگی
تقسیم کر رہا ہوں میں گھر گھر یہ زندگی



زندگی صرف پیار مانگے ہے
اور بے اختیار مانگے ہے

تیرا وعدہ بھی کس قدر ہے حسین
اک حسین انتظار مانگے ہے

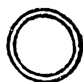
اب کے بھی دیکھنا یہ موسمِ گُل
دامنِ تار تار مانگے ہے

جانتا ہوں میں کیا ہے حسن فریب
لذتِ اعتبار مانگے ہے

ہوں تو بے تابیاں مقدر نے
وہ دلِ بے قرار مانگے ہے

تیری چاہت، تری نگاہِ کرم
دلِ دیوانہ وار مانگے ہے

تیری آنکھوں کی مستیاں اکثر
راہیؔ بادہ خوار مانگے ہے



جب بھی نظریں ملیں، برق لہرا گئی، جام پر جام چلتا رہا رات بھر
لف مہکی، مر ذوقِ تشنہ لبی، راہ اپنی ـــ بدلتا رہا رات بھر

ک تصوّر لئے، ایک عزمِ حسین میرے سینے میں پلتا رہا رات بھر
ترا دلکش تبسّم بنامِ جنوں، دل کی نس نس میں ڈھلتا رہا رات بھر

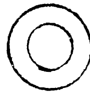
عظمتِ غم سے جب ہاتھ ملتے رہے حوصلے پھول کی طرح کھلتے رہے
ظلمتیں کتنی سجدوں میں آنے لگیں، عزم سورج اگلتا رہا رات بھر

مسکراہٹ، شراروں کی صورت رہی، درد کی آگ میں اشک شعلے بنے
میرا زخمِ جگر، میرا سوزِ دروں شمع کی طرح جلتا رہا رات بھر

دن اجالوں میں محفوظ یہ تھا مطمئن، آرزوؤں کی سانسیں مہکتی رہیں
ظلمتوں کو دیا ہے نئی روشنی، ذہن جب بھی پگھلتا رہا رات بھر

آپ کیا آگئے، زندگی مل گئی، زندگی کو امیدوں کا دامن ملا
دل سنبھالے، سنبھلتا نہیں تھا مگر، آج وہ بھی سنبھلتا رہا رات بھر

کس کی زلفوں میں دل کو پناہیں ملیں، مجھکو راہیں ملیں ایسی راہیں ملیں
صورتِ درد یہ بھی ہوا دوستو! ایک جذبہ مچلتا رہا رات بھر!



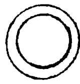
ان سے قول و قرار ہوتے رہے
دِل پہ صدمے ہزار ہوتے رہے

اپنے وعدہ کا پاس تھا، ان کو
وصل میں شرمسار ہوتے رہے

برق کیوں آشیاں پہ گرتی رہی
حملے کیوں بار بار ہوتے رہے

تم اُدھر، میں اِدھر تڑپتا ہوں
ایسے لیل و نہار ہوتے رہے

یاد میں کس کی کھو گیا راھی
رات دِن سوگوار ہوتے رہے



جو رات کی تاریک فصیلوں سے چلا ہے
کیوں دن کے اُجالوں میں کھڑا کانپ رہا ہے!؟

یہ میرا مقدر تھا، اِسے میں نے پیا ہے
جس ساغرِ زنگیں پہ مِرا نام لکھا ہے

کس کس سے کہوں آج کی اُفتاد کا قصّہ
حالات نے دل میں کوئی نشتر سا رکھا ہے

محسوس یہ ہوتا ہے وجودِ غمِ ہستی
حالات کی اس دھوپ میں جلتی سی چتا ہے

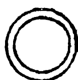
ہر رات کے آنچل میں شرارے ہی بھرے ہیں
شاید یہ مِرے جرمِ محبت کی سزا ہے!!

تاریکئ اوہام میں یہ پیار کا سورج
جینے کی علامت ہے، وفاؤں کی ضیا ہے

سائے کی طرف دوڑنے والوں سے یہ پوچھو
سائے پہ کہیں زیست کا اِحساس ہوا ہے!!

بے نام سی لذّت میں بہت دیر سے گم ہوں
کیا جانئے، کیا ڈوبتی آنکھوں نے کہا ہے

کچھ اشک ملے، درد ملے، طنز ملے ہیں
راہی مجھے جینے کا یہ انعام مِلا ہے



وجہِ حیات بن گیا اِک حرفِ آرزو
جب بھی تبسّموں سے ہوئی میری گفتگو

آیا مرے قریب کوئی چاند سا بدن
آئینۂ خیال ہوا آج روبرو

دیکھا ہے زندگی کو جو زخموں کے روپ میں
تاریخ کائنات ہوئی ہے لہو لہو۔

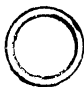
اِک درد کی تلاش ہے کیوں یہ خبر نہیں
ہے زندگی کو آج بھی بے نام جستجو

تم کیا میری نِگاہ سے دِل میں اُتر گئے
سارا وجود ہو گیا تقسیم کو بہ کو!!

تیری نِگاہِ ناز سے کچھ مانگتا ہوں میں
بھرنے کو کائنات میں کچھ اور رنگ و بو

راؔھی ہمارا درد بنا، دردِ کائنات
ہم سے وفا کی آج بھی قائم ہے آبرو





کچھ اپنی میکشی ہوتی، کچھ افسانے ہوئے ہوتے
بہر صورت گذر جاتی جو دیوانے ہوئے ہوتے

نہ ہوتی گر میسّر درد کی یہ لذّتِ پیہم!
ہم اپنے حال سے خود آپ بیگانے ہوئے ہوتے

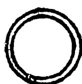
ہماری بادہ نوشی کی عنایت ہی تو ہے ورنہ
نہ پیمانے بنے ہوتے، نہ میخانے ہوئے ہوتے

تیری نازک خرامی سے بہاریں جاگ اٹھتی ہیں
یہی آباد گلشن کب کے ویرانے ہوئے ہوتے!

خدا شاہد ہے ہم اس دور میں بے موت مر جاتے
ذرا سا بھی اگر اپنے کو پہچانے ہوئے ہوتے

مزاج تشنگی کچھ اور بھی شاید نکھر آتا
تری آنکھوں کی کیفیت اگر جانے ہوئے ہوتے

مآل زندگی کیا تھا نہ جانے اور کیا ہوتا
حقیقت کو حقیقت ہم اگر جانے ہوئے ہوتے



(ہندی طرز کی غزل)

میں تو اپنا درد چھپا کر تجھ سے ملنے آیا تھا
تشنہ لبی نے بیٹھے بیٹھے پھر مجھ کو اُکسایا تھا

کون کسی کا ہوتا ہے، چاہت کیسی ہوتی ہے
تجھ سے مل کر اب یہ جانا، تجھ سے ملنا دھوکہ تھا!

کتنوں نے الزام تراشے، کتنوں نے دیوانہ کہا
پیار تو میرا اپنا خدا تھا، کیسے پھر جھٹلاتا تھا

رسوائی کی بو نہ پھیلے شہر شہر جنگل جنگل
دل کی وحشت بڑھ جاتی تھی، دل تو ہی تجھ کہتا تھا

وحشت بڑھتی جاتی تھی، دل بھی بجھتا جاتا تھا
تم تو میرے ساتھ نہ تھے، رات میں تنہا تنہا تھا

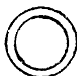
آشا کی دیوار اٹھا کر اپنے خدا کو سونپ دیا
تیرے آنگن پیار کی خاطر برسوں سے جو بیٹھا تھا

سپنوں کی نگری سے آ کر اکثر میں نے سوچا ہے
کتنی اچھی دنیا تھی وہ، کتنا سُندر سپنا تھا!

کس کو اپنا درد سُناتا، کس کو اتنی فرصت تھی
سب کے لیے تھیں پیار کی باتیں، میرا تو افسانہ تھا

شہر میں تیرے راہی میں نے کیا کیا سپنے دیکھے تھے
آنکھ کھلی تو دیکھا میں نے اپنا تھا نہ پرایا تھا





تمہارے پیار کا سورج جہاں نکلتا ہے
نئی حیات نئے انقلاب پلتا ہے

وہاں وہاں مری دیوانگی نکھرتی ہے
جہاں جہاں یہ خرد کا الاؤ جلتا ہے

نگاہِ ناز سے ملتا ہے جب پیامِ حیات
مرا وجود ہر اک گام پر سنبھلتا ہے

بڑی خوشی سے اسے ہنس کے جھیل لیتا ہوں
ادائے وقت کا جب کوئی وار چلتا ہے

کہیں خیال کا پیکر کہیں نظر کی ضیاء
مزاجِ وقت بتا کون کس میں ڈھلتا ہے!!

یہ تشنگی بھی عجب ہے کہ بجھ نہیں پاتی
نظر نظر میں کئی بار دور چلتا ہے

سکوں کا نام اجل ہے یہ بات یاد رہے
جو آپ بدلیں تو پھر وقت بھی بدلتا ہے

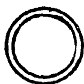
حیات نو کی علامت ہیں ہم مگر یہ کیا؟
ہمارا ذکر بھی ذہنوں میں آج کھلتا ہے!!

ہماری فکر میں رَاہی ہیں پیار کے چشمے
ہمارے عزم سے لاوا کہیں اُبلتا ہے



(ایک شعر)

شرط ہے ذوقِ جستجو ہمدم
بحرِ ہستی کا بھی کنارا ہے



(ہندی طرز کی غزل)

یوں بھی گوری میں نے تجھکو من کی بات بتائی تھی
یاد ہے مجھ کو وہ منظر بھی آنکھ تیری بھر آئی تھی

پل پل میں نے چاہا گوری، پل پل تجھ کو پیار کیا
پل پل میرے ساتھ ہی رہ کر تو مجھ کو تڑپائی تھی

جنم جنم کا میں دیوانہ، میرا اس کا رشتہ کیا
مجھکو منانے جانے کیونکر دور تلک وہ آئی تھی

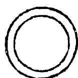
اُجلا مکھڑا، کومل باہیں، گدرے بدن کی ٹھنڈی آگ
جذبوں میں ڈوبی ایک جوالا ساتھ وہ کیا کیا لائی تھی

رات جہاں پہلو میں میرے گیت وفا کے گاتی تھی
تجھ بن، میں تو مست مگن تھا ساتھ مرے تنہائی تھی

راہی تو بھی کتنا دیوانہ! پریم کی مالا جپتا ہے
جس کی خاطر روپ لیا وہ اپنی تھی نہ پرائی تھی

ایک شعر

زُلف نے جب جھٹکا یا پانی
جھُوم کے آیا ہے ساون



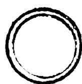
ہجر کے لمحے بار گذرے ہیں
تیرِ غم دِل کے پار گذرے ہیں

کیا خزاں، کیا بہار، فرقت میں
سب کے سب سوگوار گذرے ہیں

آتشِ شوق اور بھڑکانے
کر کے سولہ سنگھار گذرے ہیں

جب وہ گذرے قریب سے میرے
دِل پہ صدمے ہزار گذرے ہیں

سُن کے مُژدہ بہار کا راہی
روز و شب اشکبار گذرے ہیں



ہر زخمِ تیرگی ہے نشانِ سحر مجھے
لوٹا گئے ہیں آپ تو میری نظر مجھے

احساس، فکر، عزمِ جواں، دردِ کائنات
بخشے حیاتِ شوق نے کچھ جان کر مجھے

ملتے رہے بنامِ جنوں اور بنامِ وقت
کچھ تجربات زیست کی ہر موڑ پر مجھے

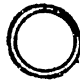
جب تک تری نگاہ شریکِ سفر رہی
یہ زندگی تھی نکہتِ گل کا سفر مجھے

خالی تخیّلات کا کاسہ لئے ملے
بھٹکی ہوئی حیات کے دریوزہ گر مجھے

کچھ حادثے حیات کے پھر یاد آ گئے
کچھ لوگ مل گئے تھے سرِ رہگذر مجھے

کیا وقت آ گیا ہے کہ اے شہرِ آرزو
اب اجنبی سمجھتے ہیں یہ بام و در مجھے

روشن ہوئے ہیں جس سے مرے فن کے راستے
راہی بہت عزیز ہے زخمِ ہنر مجھے



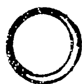
ان کی شہرت محفل محفل
اپنی وحشت منزل منزل

میری غزل کا حُسن نہ پوچھو
سامنے ہے اِک ماہِ کامِل

کود پڑا طوفان میں کوئی
کوئی پکارا ساحل ساحِل

ہم نہیں بھٹکے آخر دم تک
رہبر بھٹکا، بھٹکی منزِل

یاد کا ان کی صدقہ راہی
راہ نما ہے ماہِ کامِل



اب درد کے تاریک اندھیروں کو مٹاؤ
احساس کی جلتی ہوئی قندیل تو لاؤ

مانا کہ کٹھن ہیں غمِ ایّام کی راہیں
کچھ دیر سہی، دور سہی ساتھ تو آؤ!

اک درد کی لذّت کو جنم دیتی ہیں راتیں
اُس درد کی لذت کا نہ معیار گھٹاؤ

مجھ کو کہیں گرتی ہوئی دیوار سمجھ کر
میرے دلِ برباد کو اِس طرح نہ ڈھاؤ

اک دردِ مسلسل ہوں، زمانہ ہوں، جنوں ہوں
اے چارہ گرو آؤ مگر سوچ کے آؤ!!

جو اپنی زِندگی کو بھی اپنا نہ کہہ سکا
اس پر تو یہ جینے کا نہ الزام لگاؤ

یوں تو غمِ ایّام کے افسانے بہت ہیں
ایسے میں کوئی گیت، کوئی نظم سناؤ

راہی مرے اس شہر کے آداب عجب ہیں
ارمانوں کو، اُمیدوں کو سولی پہ چڑھاؤ



جینے کا لُطف، نشۂ ہستی اُتر گیا
خود میرا دور، مجھ پہ کئی وار کر گیا

یہ کس کی وحشتوں کے ہیں سائے جگہ جگہ!
یہ کون پھر جنوں کی حدوں سے گذر گیا!!

اِک آرزو تھی زیست کی راہوں میں کھو گئی
اِک خواب تھا جو ذہن کی وادی میں مر گیا

دراصل زندگی کی حقیقت اُسے ملی
دیوانگی کے نام پہ جو در بہ در گیا

لب وا ہوئے کلی کے تو خوشبو نکل پڑی
زلفیں بکھر گئیں کہ فسانہ بکھر گیا

تم آئے تو حیات کو رعنائیاں ملیں
تم کیا سنور گئے کہ زمانہ سنور گیا

جی تو رہے ہیں جینے کی تہمت لئے ہوئے
راہی حیاتِ شوق کا منشا کدھر گیا

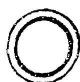
•

"دو شعر"

اک مدت ہوئی تجھ کو دیکھے، ایک عرصہ ہوا ہے کھلائے
زندگی کے چمن میں نعیمؔ اب، ایک گل بھی تو تازہ نہیں ہے

•

اک حقیقت ہے اپنی محبت، پیار اپنے لئے تو خدا ہے
حسرتیں کہہ رہی ہیں ہماری، اپنے چہرے پہ غازہ نہیں ہے



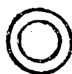
اے حُسن تو ہی زخم جگر میرے مٹانا
پیمانۂ دل شوق سے لبریز بنانا

رکھی ہے جبیں جس نے ترے نقشِ قدم پر
ممکن ہے ملے اُس کو ہی جنّت میں ٹھکانا

ساقی تری آنکھوں سے جنہیں جام ملا ہے
مشکل ہے بہت اُن کا کبھی ہوش میں آنا

ہنس ہنس کے گراتے ہی چلے بجلیاں دِل پر
لیکن دل ہے میرا، اس کو نشیمن نہ بنانا

سب دردِ محبت میں ترا لُٹ گیا راہی
باقی غمِ فرقت ہے، نہ تو اُس کو لٹانا



ہاتھوں میں لے کے چلتے ہیں پتھر تو دیکھئے
بربادیٔ حیات کا منظر تو دیکھئے

اب کے فساد میں تو یہ فٹ پاتھ بن گیا
اے رہبرانِ قوم مرا گھر تو دیکھئے!!

مرے شہر کا سکون ہے مقتل بنا ہوا
اب قاتلانِ وقت کے لشکر تو دیکھئے!

احباب خوش ہیں دیکھ کے چہرے کی تازگی
ہیں کتنے زخم کچھ مرے اندر تو دیکھئے!!

اب وقت ہی بتائیگا، کیا کیا ہے وقت میں
ہر ہاتھ میں چھپا ہوا خنجر تو دیکھئے!!

تاریخ کائنات ہے سینوں میں جنکے بند
پھیلے ہوئے یہ دشت و سمندر تو دیکھئے

دِل کے لہو سے جس کو تراشا ہے عُمر بھر
میرے خیال و خواب کا پیکر تو دیکھئے

تخلیق کر کے اپنے خیالوں کی جنّتیں
کچھ خواب زِندگانی کے شب بھر تو دیکھئے!!

کِس دامنِ حسیں میں یہ ڈوب جائینگے
اب آنسوؤں کا میرے مقدر تو دیکھئے!!

راہی یہ جانتا ہے کہ چلتے ہیں کِس طرف
اس میکدے کی شام کے ساغر تو دیکھئے





دن میں بھی نظر آتے ہیں کچھ رات کے چہرے
ملتے ہیں نقابوں میں فسادات کے چہرے

لہجے کو مرے سُن کے پشیمان ہوئے ہیں
افسردہ نظر آئے روایات کے چہرے

راتوں کی سیاہی ہے تری آنکھ کا کاجل
زلفوں کی خم و پیچ میں برسات کے چہرے

دیکھو تو کبھی آئینۂ وقت اُٹھا کر
ہر زخم نیا رکھتے ہیں حالات کے چہرے

خود مجھ سے مرا کوئی تعارف نہیں اب تک
خانوں میں تقسیم ہیں مری ذات کے چہرے

الفاظ پہ قابو ہو تو تخیل میں ندرت
باتوں میں نکل آتے ہیں ہر بات کے چہرے

ہم کو جو ملا ہے بھی تو کیا عہد ملا ہے
ہر وقت بدلتے ہیں ملاقات کے چہرے

دانش نظر آئی مجھے دنیا بھی معمہ
تھے بند جوابوں میں سوالات کے چہرے





اب تو میری حیات کے عنواں ہیں یہی
گیتوں کا بانکپن، کہیں زخموں کی چاندنی!

تاریکیٔ حیات میں اکثر یہی ہوا
ملتی رہی ہے مجھکو مرے غم سے روشنی

زخموں کی آنچ میں، غمِ دوراں کے باوجود
تڑپا گئی ہے یادِ بہاراں کبھی کبھی

لوٹا دیا گیا تھا زُلیخا کو پھر شباب
شاید یہی ہے معجزۂ عشق و عاشقی

اِک فلسفی کی طرح غموں کے ہجوم میں
میری حیات مجھ پہ بہت سوچتی رہی!

۹۱

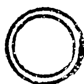
خوش ہوں کہ ہر قدم پہ خرد مات کھا گئی
بخشی ہے آج مجھ کو جنوں نے جو آگہی

جلووں کا کارواں ہے رواں آب و تاب سے
بجھتی نہیں ہے پھر بھی نگاہوں کی تشنگی

انسان آج پیتا ہے انسان کا لہو
کیا زندگی سے چھن گئے آدابِ زندگی!!

راہی بھلا امیدِ وفا کس سے کیجیے
کیا دے سکے گی مجھ کو یہ پتھر کی مورتی!!





ہوئی کتنی دُنیا، اِدھر سے اُدھر
نہ اشکوں کا میرے مِلا ہمسفر

محبت کی گردش میں شام و سحر
میرے ساتھ ذِکر اس کا ہے دربدر

ازل میں نہ ہوتی جو ہم سے خطا
نہ ہوتی یہ دُنیا، نہ یہ چشمِ تر

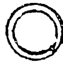
جو کل تک نگاہیں لڑاتے رہے
وہی آج بیٹھے ہیں مُنہ پھیر کر

میرے زخمِ دل کیوں نہ ہوتے ہرے
تمہاری نظر ہے کہ تیرِ نظر

میسّر اسی کو ہے لطفِ حیات
جو مارا ہوا عشق کا ہو بشر

مرے دل نے راہِ دعا دی مجھے
کیا اس کی نظروں نے ایسا اثر





"انساں سے پیار ہے غمِ انساں سے پیار ہے"
ہم کو تو آج تلخیٔ دوراں سے پیار ہے

عشرت ہو، غم ہو، درد ہو یا اضطراب ہو
مجھ کو تو زندگی کے ہر عنواں سے پیار ہے

صدیوں کی تلخیاں ہوں کہ صدیوں کے فاصلے
انساں کو پھر بھی آج کے انساں سے پیار ہے!!

اک شعلہ نوا سے مری کیا آنکھ لڑ گئی
جب سے مجھے شہر نگاراں سے پیار ہے

راتوں کی نیند مری چُرا لے گیا کوئی
میں چپ ہوں کہ وعدہ و پیماں سے پیار ہے

جب بڑھ گیا جنوں تو محسوس یہ ہُوا
قسمت کو مری چاک گریباں سے پیار ہے

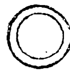
شہرِ وفا میں آج وہ دیوانہ ہوگیا
اسکو بھی جیسے زلفِ پریشاں سے پیار ہے!!

شعلہ بدنی میں ہیں حجابات کے پردے
اے دوست مجھکو شہرِ نگاراں سے پیار ہے

یہ جان کر بھی وعدۂ حُسنِ فریب ہے
پھر بھی کسی کے وعدہ و پیماں سے پیار ہے ا

بکھرے ہوئے فلک پہ ہیں آوارگی لئے
کیا بادلوں کو زلفِ پریشاں سے پیار ہے

راھی غمِ حیات کی اِن اُلجھنوں کے ساتھ
دشتِ جنوں سے چاکِ گریباں سے پیار ہے



اصنام محبّت کے ہر شام تراشو
پینے کے لئے کچھ تو نئے جام تراشو

مخلص تو زمانے میں پرانا سا نام ہے
اخلاص و محبت کے نئے نام تراشو

محبّت کا، وفاؤں کا، گیتوں کا مسلسل
ہمت ہو اگر تم میں تو پیغام تراشو!

مغرور ہے، مسرور ہے ہر نام پہ اپنے
عورت کو الٰہی مہرے بے نام تراشو

اے رہبران وقت کچھ تو کرو رحم
ہم پر تو نہ جینے کے الزام تراشو

راہی زمانہ ساز سے کرتا ہوں یہ دعا
انسانیت کے آج کئی جام تراشو



ظلم و جفا کا دور، صلیبوں کا وقت تھا!
شہرِ وفا میں، میں ہی فقط بُت پرست تھا!!

یہ مرحلہ بھی زیست میں کس درجہ سخت تھا
پھولوں کی بیڑیاں تھیں تو کانٹوں کا تخت تھا!!

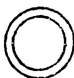
یہ فاصلے بھی وقت کی رفتار بن گئے!
جیسے کہ میرا دل بھی کوئی سنگِ سخت تھا!!

یوں زندگی نے مجھ کو بھی کیا کیا نہیں دیا!
پتھر تھے طنز کے، کبھی لہجہ کرخت تھا!!

شعلے تھے پیار کے نہ وفاؤں کی آگ تھی
تنہائیاں تھیں اور دلِ لخت لخت تھا

تم ایسے زندگی سے مری روٹھ کر گئیں
جیسے میرا وجود ہی سوکھا درخت تھا !!

راہی عجب حال سے گذری ہے زندگی
میری حیاتِ شوق کا انداز سخت تھا



مہر و وفا، خلوص کے اظہار کی کتاب
تاریخ بن گئی ہے مرے پیار کی کتاب

ہر رُخ سے دیکھتا ہوں میں دلدار کی کتاب
انکار میں دبی ہوئی اقرار کی کتاب

پڑھنی اگر ہو، اس کو پڑھو غور سے پڑھو
بس زندگی کا نام ہے معیار کی کتاب

حالات نے دیئے ہیں وہ ابواب زخم کے
کیا پڑھ سکونگا میں ترے رخسار کی کتاب

چہرے ہزار، لاکھ نقابیں ہیں ان دنوں
ہے زندگی کہاں، ترے کردار کی کتاب!!

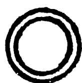
کچھ اپنے خط و خال پہ بھی ڈال لو نظر
پڑھنی اگر ہو آئینۂ یار کی کتاب

جیسے تبسّموں کے جنازے ہوں سامنے
چہرے ہیں یا کھُلی ہوئی افکار کی کتاب

اک اک ورق اُلٹتا ہوں کس احتیاط سے
کیا کیا ہے تیرے جسم کے اسرار کی کتاب

ہر شخص آج قید ہے اپنے وجود میں
پڑھتا ہے کون اپنے دلِ زار کی کتاب

راہی یہ کشمکش بھی عجب دلفریب ہے
ہے انکے سامنے مِیرے اشعار کی کتاب



نظروں سے ایسے گزرے ہیں جیسے ہوں اشتہار
غم ہائے روزگار کے چہرے کئی ہزار

صدیاں ملیں تو لمحوں میں سمٹی ہوئی ملیں!
مجبوریوں میں قید رہا جیسے اختیار!!

ماضی کی وہ کتاب ہے مجھ کو بہت عزیز
جس کے ورق ورق پہ ابھرتا ہے تیرا پیار

محرومیاں نصیب کی صورت میں ڈھل گئیں
باہوں کے تیری مل نہ سکے زندگی کو ہار

میرا وجود جیسے غموں کی بہار تھا
دامنِ حیات کا رہا ہر وقت تار تار

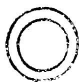
احساس کی زباں میں لُکنت سی آ گئی
اظہار بن گیا ہے خموشی کا اِک مزار

دل کو تسلیوں نے سہارے سے دے دیئے
راہِ حیات شوق رہی صِرف انتظار



ایک شعر

خود مجھ سے مرا کوئی تعارف نہیں اب تک
خانوں میں ہیں تقسیم مری ذات کے چہرے



تمہاری یاد کو تازہ گلاب دینا ہے
غمِ حیات کو پھر سے شباب دینا ہے!

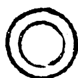
شبِ فراق کی یادوں سے کانپ اٹھتا ہوں!
وفا کو، درد کو، کیا کیا جواب دینا ہے!!

ہمارے دور کی تاریخ کہہ رہی ہے یہی
ہمارے ہاتھ یہ کیا کیا سراب دینا ہے!!

یہ روز روز کی سنگین وارداتوں میں
ہمارے ذہنوں کو یہ کیسا عذاب دینا ہے!!

ہمارے پیار کے زخموں کی داستاں لکھ کر
عجیب بات ہے، ہم کو کتاب دینا ہے!!

نکل کے یاس کی تاریکیوں سے اب راہی
نئی سحر کو، نئے آفتاب دینا ہے



اشکوں کی بوند بوند سے سورج اُگائیے دوست
ویسے بھی زندگی کو بہت آزمائیے دوست

صدیوں کی تشنگی کا یہ حاصل بنی رہی
کس طرح زندگی کو کوئی بھول جائے دوست

بیتابیوں کے ساتھ عجب کشمکش میں ہوں
اپناؤں کس کو کون ہیں اپنے پرائے دوست

آدابِ حسن و عشق ہیں اپنی جگہ اٹل
جینے کا ڈھنگ، غم کا سلیقہ تو آئے دوست

مرمر سے ایک ترشا ہوا بت ہے اور کیا
پتھر کے آگے نغمہ کوئی کیا سنائے دوست

راہی ہیں کٹ گئے دامنِ صبر و وفا لیے
یوں بھی فریب کتنی بہاروں کے کھائے دوست



ہوں راہِ آرزو پہ قدم دیکھ بھال کر
باقی حیات جو بھی ہے رکھنا سنبھال کر

میں شاعرِ وفا ہوں، بہاروں کا ہوں نقیب
تو دیکھ لے مجھے، مرے فن سے نکال کر

راہ جنوں تو سہل نہیں، پھر بھی مرے دوست
مجھکو ہٹا کے سوچ، کچھ اپنا خیال کر

ممکن ہے زندگی سے کوئی زندگی ملے
کرنا اگر ہو، سوچ سمجھ کر سوال کر

میں کیا بتاؤں لذّت دردِ فراقِ یار
گذرا ہے آج بھی کوئی وعدہ کو ٹال کر

مل جائینگی غموں میں نئی اور لذّتیں
چہرے سے پہلے صاف تو گردِ ملال کر

ترکِ تعلقات کوئی کھیل تو نہیں
خود کو اُبھار، آتشِ فرقت میں ڈھال کر

جینے کا فن ملا ہے تو پھر زندگی کو میں
راہی برت رہا ہوں، اسے پوس پال کر

●

(ایک شعر)

درد کی داستاں سے گذرے ہیں
مستیِ دو جہاں سے گذرے ہیں

نظمیں



نعیم آروی

یادیں

"..........کے نام"

کوئی ماہِ کامل، سراپا نزاکت
کبھی درس گاہ میں، کبھی رہگذر پر
چلی جا رہی تھی، نگاہیں جھکائے
دلِ مضطرب سے میرے بے خبر تھی
کئی سال پہلے، میری ہمسفر تھی!



جو لوٹا وطن کو، عجب کیفیت تھی
مرے غمزدہ دل کو کچھ یاد آیا!
کبھی اس نگر میں بھی کوئی بسا تھا
کسی یاد نے مجھکو اکثر رُلایا
میری آہ بھی جب بڑی بے اثر تھی
بہت دور مجھ سے میری ہمسفر تھی!!



کئی سال بیتے، اسی کشمکش میں
بہاریں، خزائیں، گذرتی رہی ہیں
تخیّل بھی میرا پریشان ہے اب
کہیں لٹ نہ جائے، مرا آشیانہ
چراغِ محبت کہیں بجھ نہ جائے
یہ ممکن ہے شاید کوئی بھول جائے
کوئی اجنبی تھا، کوئی ہمسفر تھا!



تصور میں کٹنے لگا لمحہ لمحہ
بگڑتی گئی رات دِن میری حالت
میرے دل سے ہٹنے نہ پائی وہ صورت
وہ مہوش، وہ گلرخ، وہ مرمر کی مورت
درِ دِل پہ دیتی ہے، پھر آج دستک
وہی جو کہ پہلے، میری ہمسفر تھی؟



تیرے ہجر میں جینا دشوار ہو گا
تجھے یاد کرنا بھی بیکار ہو گا
کہاں ہے کہاں ہے، پتہ کچھ نہیں ہے
مری زندگی کا بھی امکاں نہیں ہے
مری ہو کے مجھ سے بہت دور ہے تو
یقیناً مری طرح مجبور ہے تو
مرے پردۂ دل سے مجھ کو صدا دے
پتہ کچھ تو راہی کو اپنا بتا جا



ترا درد ہی حاصل زندگی ہے
تری یاد میرے لئے بندگی ہے

———

تخلیق :-



اب روایات کی بوسیدہ فصیلوں سے نکل آؤ بھی
آؤ اب وقت کی رفتار کو مہمیز کر دیں
نقشِ پا اپنے یہاں
وقت کی مشعل بن جائیں

وہ روایات
جنہیں صدیوں سے
عشق کندھوں پہ اُٹھائے ہوئے پھرتا ہے ابھی
اُن روایات سے، اِک حُسن نیا، فکر نئی، راہ نئی
غم نیا، درد نیا، درد کے انداز نئے
سازو آہنگ نیا، کیف نیا، نشہ نیا
پاس و آداب نئے
آہ کے لہجے ہوں نئے
آؤ تخلیق کریں۔

ہے گیسوؤں کی رات، تبسّم کی چاندنی !!

کامرانی

اک تیرا پیار، تیری تمنّا، ترا خیال
ہیں زندگی کے ساتھ بہاروں کے قافلے

دیکھا ہے کس نے پھر نگہِ التفات سے
گھٹنے لگے ہیں اب، شبِ ہجراں کے فاصلے

جلوہ طرازیاں ہیں تبسّم کی آڑ سے
ہیں زندگی نواز خیالوں کے سلسلے

اب پھر حیات مائلِ حسنِ حیات ہے
خود پھول بن گئے مری راہوں کے مرحلے

اب گا رہی ہے زیست، محبّت کی راگنی
ہے گیسوؤں کی رات، تبسّم کی چاندنی

رعنائیٔ حیات نکھرنے لگی نعیم
انوارِ عشق جیسے بکھرتے چلے گئے

سوزِ دروں کو ایک سلیقہ سا آگیا
آدابِ عشق اور سنورتے چلے گئے

ترتیب پا رہی ہے تمنّا کی ہر خلش
ایسے پیام دِل سے گذرتے چلے گئے

نظریں ملیں تو پھر مرے اوراقِ زیست پر
ماضی کے کچھ نقوش ابھرتے چلے گئے

جب بھی چلی ہے بات دِلِ پائمال کی
لئے اور بڑھ گئی مرے حسنِ خیال کی

"۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ گلیوں میں لوٹا دے مجھے"

(بازگشت)

لڑکپن جب جوانی کی حسین سرحد میں آیا ہے
تو کتنے گُل کِھلایا ہے!
بہاریں ناچتی تھیں، زندگی کے رگ و پئے میں
میری ہر آرزو پھولوں کی صورت مسکراتی تھی
کہانی ایک نئی ترتیب پانے کے لئے جیسے
مچلتی ہو، تڑپتی ہو
مرتب ہو رہی تھی اِک نئی تاریخ الفت کی
ہزاروں حال بنتی جا رہی تھیں میری اُمیدیں
نئے نقشے اُبھرتے تھے
تخیّل آسمانوں کی بلندی چھو کے آتا تھا
حسین بانہوں کی جنّت میں
میری دنیا سنورتی تھی

میرے ہر زخم کو، ہر درد کو
تسکین ملتی تھی
انہیں سرشار گلیوں میں ملیں گے نقشِ پا اپنے
ہماری داستانیں ہیں
ہمارے اپنے افسانے
جنہیں حالات کی گردش نے پارینہ بنا ڈالا
انہیں مانوس سی گلیوں میں
اب بھی دِل دھڑکتے ہیں مجھے ائے کاش !
کوئی پھر انہیں گلیوں میں لوٹا دے !!



فریب

فضاؤں میں مستی، بھری چاندنی ہیں
اٹھے جھومے، جھومتے ہواؤں کے آنچل

شبِ ہجر کی قید سے ہو کے حیراں
چلا تھا میں اپنے خیالوں میں کھویا

دِکھائی دیا اِک سایہ سا مجھکو
شبِ مہ میں تھا جو اس وقت رقصاں

جنونِ تجسس مرے دِل میں اُبھرا
تعاقب میں سایہ کے میں چل پڑا تھا

مرے دِل میں یہ آرزو گدگدائی
کہ جلدی سے پہنچوں میں نزدیک اسکے

قدم اٹھتے ہی فاصلہ بڑھ گیا تھا !!
مرا ہمسفر مجھ سے بھی دور تر تھا

بڑھی دل کی دھڑکن بڑھی بے قراری
اسی کشمکش میں جو پہنچا وہاں پر

نہ سایہ تھا کوئی، نہ تو ہمسفر تھا
خیالات ہی میں، بھٹکتا رہا میں

فریبِ تصوّر کے قربان راہی
شبِ ماہ نے مجھکو دھوکا دیا تھا !!



میرا وطن (ترانہ)

مرے وطن کی کھیتیاں
حسین حسین بستیاں
یہ سردیاں، یہ گرمیاں
ٹپک رہی ہیں مستیاں
روش روش، چمن چمن
میرا وطن مرا وطن، میرا وطن مرا وطن

یہ عصرِ نو کا پاسباں
امن کی طرف ہے رواں
تبسموں میں بجلیاں
لئے سُرورِ میکشاں
ہر اک ادا میں بانکپن
میرا وطن مرا وطن، میرا وطن، مرا وطن

عمل کی روشنی لئے
بہارِ زندگی لئے
لبوں پہ اِک ہنسی لئے
نویدِ آگہی لئے

قدم قدم پہ نغمہ زن
میرا وطن مرا وطن، میرا وطن مرا وطن

یہ مشکلیں تو کچھ نہیں
ہے اپنے آپ پر یقین
یہ آندھرا کی سرزمین
جواں جواں، حسین حسین

خوشی خوشی ہیں مرد و زن
میرا وطن مرا وطن، میرا وطن مرا وطن

ـــــــــــ

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے

گیت (طرز ہندی)

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
مورکھ من تو روتا جائے

بیتے دنوں کی یاد ستائے
جیسے کلیجہ منہ کو آئے
کروٹ کروٹ چین نہ پائے
کالی رینا کاٹنے آئے

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
مورکھ من تو روتا جائے

تم تو گئے ہو دیس پرائے
اک برہا کی من میں لگائے

سکھیاں ہیں کہ طعنہ دیتیں
ساجن تیرا تجھ کو بھلائے
بیٹھ گیا ہے ، دیس پرائے
میں تو اب بھی آشاؤں کے
بیٹھی ہوں بس دیپ جلائے
ہر آہٹ پر آس لگائے
راہ تکوں میں نین بچھائے
رات کٹے اور دن ڈھل جائے
آبھی جاؤ ! ساجن میرے
رات ملن کی بیت نہ جائے

٭

ساجن تجھ بن نیند نہ آئے
مورکھ من کو روتا جائے

گیت

مرے محبوب چلو، چاند سِتاروں میں چلو
نور و نکہت میں چلو اور بہاروں میں چلو

•

مستیاں لے کے ہواؤں میں مچل جائینگے
پیار کی آگ میں ہم دونوں پگھل جائینگے
پاپی دُنیا کی نگاہوں سے تو چھُپ کر آؤ
صُبح سے پہلے بہت دور نِکل جائینگے

•

مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو

تُم نے سوچا ہی نہیں پیار کی تقدیر ہے کیا
تم نے سمجھا ہی نہیں پیار کی تعبیر ہے کیا
آج موسم ہے حسین اور حسین کر لیں گے
آبھی جاؤ کہ محبّت کو یقین کر لیں گے

مرے محبوب چلو، چاند سِتاروں میں چلو

آج سوچا ہے، زمانے کو معطّر کر دیں
کالی راتوں کو اُجالوں کے سمندر بخشیں
آرزوؤں کو، اُمنگوں کو جگانے کے لئے
زیست کو پھر نئے انداز کے تیور بخشیں

•

مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو

•

اپنی اُلفت پہ کوئی حرف نہ آ جائے کہیں
اب تو آ کر بنائیں گے نیا تاج محل
دور دُنیا سے بہت آج نکل جائیں گے
غم کی تاریک سی راہوں میں جلا کر مشعل

•

مرے محبوب چلو، چاند ستاروں میں چلو
نور و نکہت میں چلو، اور بہاروں میں چلو





پرکار

خاموش دِل میں حسرت و ارمان ہو گئے
درد و الم جو سینے میں مہمان ہو گئے
اس طرح میری زیست کے سامان ہو گئے
یہ وقت کی روِش تھی، تقاضہ تھا ساتھیو

صورت پہ زندگی کے زمانے کی گرد ہے
حالات اور وقت کا چہرہ بھی زرد ہے
ہر درد آج عہد کا اپنا ہی درد ہے
یہ وقت کی روِش ہے، تقاضہ ہے ساتھیو

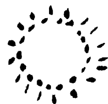
ہونٹوں پہ زندگی کے بہاروں کا ہو پیام
ذکرِ حبیب، ذکرِ محبّت ہو صبح و شام
انسانیت کے درد سے چھلکے ہر ایک جام
یہ وقت کا مزاج و تقاضہ ہے ساتھیو

ضربِ صوت



کچھ درندہ صِفت بھیڑیئے
اپنے ناپاک عزائم کو لے کر اُٹھے
زندگی کے حسین شہر کو ڈھائینگے
رہنمائی کا اوڑھے ہوئے اِک لبادہ
جیسے جمہوریت کو کچل دیں !
قوم کے جسم پر کینسر کی طرح یہ اُبھرتے گئے
پھر اِک آواز اُٹھی
ظلمتوں میں نئی نور کی اِک کرن جگمگانے لگی
جس کی طاقت کی کرنوں سے کینسر پھٹے
اور جمہوریت کو صحت مل گئی
ایسی آواز سارے جمہور نے
اپنے سینے سے جس کو لگایا
دیو لیوں، دیوتاؤں کے لب پر ہنسی آگئی

بیں نکہتیں فضاؤں میں لہرا گئیں
پیار کو، زیست کو اِک اماں مل گئی
کاروانِ جنوں پھر سے بڑھنے لگا
مشعلیں جل اٹھیں
راستے اپنی منزل پہ جانے لگے
پھر سے جمہور کو زندگی مل گئی
آگہی مل گئی ——— !



یاد (نذرِ.........)

ایک حسین لمحہ
کہ جس میں
قید ساری کائنات !
اور وہی لمحہ
کہ جس میں
درد ہے
درد و غم کی لذّتیں ہیں
ڈھیر سارا پیار بھی !!

"ہوں عجب کشمکشِ زیست کے دوراہے پر"

(تذبذب)

تم کو کِس طرح مخاطب میں کرونگی راہی
آنکھ پُرنم ہیں
قلم کانپ کے رہ جاتا ہے
لفظ ملتے نہیں
اظہارِ محبت کے لیئے
کیا کہیں گی یہ زمانے کی نِگاہیں آخر
ہوں عجب کشمکشِ زیست کے دوراہے پر!!

بہادروں کی سرزمین (ترانہ)

•

میرا وطن، مرا وطن، میرا وطن، مرا وطن
مرے وطن کا ہر مکین
ہمارا امن کا امین
بہادروں کی سرزمین
بلند جس کا عزم و فن
میرا وطن مرا وطن ۔۔
ہے اپنا آپ چارہ گر
جلو میں جس کے ہے سحر
غزل کا، گیت کا یہ گھر
جنوں میں پیار میں مگن
میرا وطن مرا وطن ۔۔

نوائے سرمدی لئے
ادائے آگہی لئے
چلا ہے زندگی لئے
روِش روِش، چمن چمن
میرا وطن میرا وطن . . .
روایتوں کا دیس ہے
لطافتوں کا دیس ہے
نزاکتوں کا دیس ہے
سجی ہوئی سی اِک دُلہن
میرا وطن مرا وطن میرا وطن، مرا وطن

بُھوک

•

گورے ، کالے ، سانولے سے
گدرے گدرے ، کومل کومل
پھول کی مانند
کتنے بدن کھِلتے رہتے ہیں !
اور پھر مرجھا جاتے ہیں
بھوک کی آگ کا جنگل اب تک
جلتا ہے ، جلتا ہی رہیگا
بھوک کی کیا اقسام گِناؤں
بھوک ہوس کی
جنسی بھوک
شہرت کی ، ناموس کی بھوک
عُہدوں کی ، یلغار کی بھوک

دولت مند
دولت کے بھوکے
اِن کی بھوک نہیں مٹ سکتی !
پیٹ کا بھوکا
جب بھی تھا
اور اب بھی ہے
یہ بھی بھوک نہیں بجھ سکتی
بھوک کا درماں کوئی نہیں ہے

۸۱

